© rasailojaraid.com

ایران کا ایک جدید شاعر

رشید یاسمی

(جناب نور الحسن صاحب انصاری ایم۔ اے لکچرر سینٹ اسٹیفنس کالج۔

(دہلی یونیورسٹی)

اردو ادب کی طرح جدید فارسی ادب کا آغاز بھی انیسویں صدی کے اواخر سے ہوتا ہے اس دور میں وہاں کی سیاسی زندگی عجیب بحرانی حالت سے گذر رہی تھی۔ ایران انگریزوں، فرانسیسیوں اور روسیوں کی خود غرضانہ مساعی کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا لیکن جدید تعلیم جیسے جیسے پھیلتی گئی وہاں کا تعلیمیافتہ طبقہ بیدار ہوتا گیا اور جہاں سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا ہوئی وہیں ادبی دنیا نے بھی کروٹ لی۔ یہی وجہ ہے کہ جدید فارسی ادب کا سیاسیات سے لاینفک رشتہ ہے۔

جدید فارسی ادب کا یہ انقلاب اپنے دامن میں بہت سی رحمتیں اور زحمتیں لیکر آیا جس کا تفصیلی بیان کسی اور مضمون میں کیا جائے گا۔ یہاں میں آپ کو ایران کے ایک جدید شاعر سے روشناس کرانا چاہتا ہوں جس کی شاعری نے ملک و قوم اور زبان و ادب پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ میری مراد رشید یاسمی سے ہے۔

رشید ۱۳۱۴ھ میں شہر کرمانشاہ میں پیدا ہوئے وہ کرد قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان علم و فضل اور ادب و سیاسیات میں ممتاز تھا۔ رشید کے والد محمد ولی خاں میرپنج، عمدہ خوشنویس، اچھے شاعر، بہترین نقاش اور ماہر سیف و قلم تھے ان کے نانا حضور صاحبِ دیوان تھے۔ "داستان شمس و طغرا" انھیں کی تصنیف ہے۔ رشید کی ابتدائی تعلیم کرمانشاہ میں ہوئی اس کے بعد وہ تہران آئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہیں کے ہو رہے۔ سینٹ لوئی کالج سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد عرصہ دراز تک وزارت تعلیم اور دیگر سرکاری محکموں میں کام کرتے رہے آخرکار تہران یونیورسٹی میں ادبیات کے استاد مقرر ہوئے۔ ایک روز حافظ پر تقریر کر رہے تھے۔ موضوع تھا "گوئٹے پر حافظ کے خیالات وعقائد کا اثر" کہ اچانک سکتہ طاری ہو گیا علاج معالجہ کے لئے یورپ گئے لیکن افاقہ نہ ہو سکا آخرکار تہران واپس آئے اور یہیں ۱۳۷۱ھ میں انتقال فرمایا۔

رشید صرف شاعر ہی نہیں تھے۔ انھوں نے فرانسیسی، انگریزی، عربی قدیم فارسی اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ادب اور تاریخ میں انھوں نے متعدد قابل قدر تصنیفات چھوڑی ہیں۔ مثلاً احوال و آثار ابن یمین، احوال و آثار سلمان ساوجی، تاریخ ادبیات معاصر، تاریخ ملل و نحل وغیرہ۔

رشید یاسمی کی زندگی ہی میں ان کا منتخب کلام شائع ہو گیا تھا جس میں مندرجہ ذیل اصنافِ سخن ہیں۔

منقطعات، قصائد، غزلیات، مثنویات، مقطعات اور چند رباعیات، فارسی ادب کے انقلاب سے جہاں بہت سی رحمتیں آئیں وہاں ایک بہت بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ انقلاب کے متوالے ادیبوں نے کلاسیکل ادب کو قدیم، فرسودہ، رجعت پسند، آمرانہ اور نہ جانے کیا کیا کہہ کر پس پشت ڈال دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں جو فارسی ادب وجود میں آیا اس میں بڑی سطحیت ہے، اور وہ محض تبلیغ انقلاب کا آلہ کار نظر آتا ہے جس میں کلاسیکی ادب کی رچی ہوئی ادبیت اور شعریت کا دور دور پتہ نہیں ہے ادب کے اس بحرانی دور میں بہت کم ایسے شعراء اور ادیب نظر آتے ہیں جنھوں نے ادب العالیہ سے استفادہ کیا اور ماضی کی ادبی قدروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جدید ادب کا کاشانہ تعمیر کیا۔ رشید یاسمی کا شمار ایسے ہی ادیبوں میں ہوتا ہے۔

رشید کی شاعری میں بڑی صداقت ہے۔ اور اسی صداقت سے ان کی شاعری میں تاثیر کی عجیب و غریب لہر ہے، آپ ان کے حالات زندگی سے واقف ہوں یا نہ ہوں ان کے اشعار پڑھ کر ان کی زندگی کا مختصر مگر جامع نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ان کا دل بڑا حساس اور ان کا احساس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا نازک تھا۔ ان کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دل سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ سوز و گداز کی ایک معتدل مگر متوازنہ لہر کروٹیں لیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس سوز و گداز میں صرف حسرت ہی نہیں بلکہ تڑپتے رہنے کی کیفیت بھی ہے۔ انھوں نے مناظرِ فطرت پر جو نظمیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جمالیاتی احساس کی وجہ سے فطرت کی طرف مائل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی حسین آغوش میں پہنچکر تھوڑی دیر کے لئے زندگی کے بوجھل لمحوں سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ غزل کے چند اشعار دیکھئے

با آب گفتم دردِ خود افسرد آب از دردِ من
بر گل دمیدم آہِ خود پژمرد از آہِ سردِ من

بر باد دادم رازِ خود نالید باد از رازِ من
در خاک کردم گردِ خود آتش گرفت از گردِ من

جز شاہ ماتِ رنج و غم وضعی نہ در شطرنجِ من
جز ششدرِ رنج و محن خانی نہ اندر نردِ من

اس کے بعد رشید کی ان فطری نظموں کو دیکھئے جہاں شاعر حسنِ فطرت کی تعریف کرتے کرتے اچانک حسرت میں ڈوب جاتا ہے۔

بہار اندر یغا کہ پا یا نہ دریغا کہ جاوید با ما نہ
دریغا کہ چوں روزگارِ شباب یکی امروز ہستی و فردا نہ (نوبہار)

اور ان شعروں کو ملاحظہ فرمایئے

خوشا برگی کہ بر سطحِ تو پوید خوش آں ماہی کہ اعماقِ تو جوید
خنک سنگی کہ لبہایِ تو بوسد خنک بادی کہ گیسوی تو بوید
(آئینۂ سیال)

ایسی نظموں کے بعد رشید کی شاعری کا وہ حصہ آتا ہے جہاں معلوم ہوتا ہے وہ زندگی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرار چاہتے ہیں مثلاً نظم "بریُل" میں کہتے ہیں

شادم کنوں کہ برسرِ ایں پُل نشستہ ام
وز روی خاکِ رشتۂ الفت گسستہ ام
گرچہ نرستہ ام بحقیقت ز روئے خاک
خرسند ایں قدر کہ بصورت برستہ ام

بر این بلند شاخۂ لرزاں کنم نشاط
اکنوں کہ پائے خستہ و شہپر شکستہ ام

فرار کی یہ گھڑیاں پلک جھپکتے ختم ہوتی نظر آتی ہیں اور شاعر کہتا ہے

عمرے زپئی خیالِ بیہودہ شدیم — سودی نگرفتہ زود فرسودہ شدیم
از جامِ حیات لب نیالودہ ہنوز — از تہمتِ زندگانی آلودہ شدیم

رشید کی یہ پرسوز شاعری دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی، اس کی وجہ خود ان کی زندگی اور شاعری میں نظر آتی ہے۔ جوانی کی تن آسانی کا زمانہ علم و فضل کی نذر ہو گیا۔ جو گھڑیاں خوشیاں لوٹتے ہیں بسر کی جاتی ہیں وہ انھوں نے دود چراغ کھانے میں کاٹیں اور پھر زمانہ کے ہاتھوں انھیں اچھا سلوک نہیں ملا۔ ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل زخموں سے اتنا چور ہے کہ مرہم کی تاب بھی نہیں لا سکتا۔

گر شعر سوزناک سرایم عجب مدار — شمعِ نشاط مرد و از این زبانہ ماند

رشید یاسمی کی شاعری میں خارجیت کے ساتھ ساتھ بڑی رچی ہوئی داخلیت ملتی ہے۔ ان کے ہاں مطالعۂ کائنات کے ساتھ مطالعۂ نفس کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ کائنات کی ہر چیز کو نظرِ بصیرت سے دیکھتے ہیں اور اس سے ریاضتِ نفس اور جلائے قلب کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں عشق کو بڑا دخل ہے عشق ہی حاصل زندگی اور عشق ہی معراج زندگی ہے، عشق ہی احترام انسانیت سکھاتا ہے اور عشق ہی عظمتِ انسانی کی بکھری ان پہنائیوں کو بروئے کار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتا ہے۔ کہتے ہیں:۔

گر زانکہ بدل پرتوی از مہر نداریم | بیہودہ شب و روز و مہ و سال گذاریم
گر عشق کہ سرمایۂ ہستیِ من و تست | بدرو و کند ما و تو یک مشت غباریم
آنجا کہ متاعِ دو جہاں عرض نمایند | گر عشق بباز ار نیاریم چہ آریم

(اغتنام فرصت)

زندگی کی تمام مصیبتوں کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم اس مقدس جذبہ سے محروم ہیں۔

درمانِ تو آنست کہ افسردہ دلت را | روزی دو سہ در بوتۂ عشقے بگذاری
ایں گیتیٔ تاریک ہمہ روشن بینی | روزی کہ دلِ خویش ازاں بوتہ برآری

(اغتنام فرصت)

یہی عشق ہے جو انسان پر اس کی بیکراں عظمت کو بے نقاب کرتا ہے۔ اور کائنات کی پہنائیوں کے مقابلہ میں اسے احساسِ کمتری نہیں دلاتا۔ نظم "دو آسمان" میں شاعر پہلے آسمانِ دنیا کی وسعت اور ستاروں کی رفعت دیکھ کر متحیر ہو جاتا ہے۔ پھر کہتا ہے:۔

ستارگان کہ بہ قیاس ما بزرگانند
اگرچہ نیک عظیم اند سخت حیرانند
عظیم و تند شتابان و روشن اند و بلند
ولے چو در نگری پست تر ز انسانند
بہ صورتِ آدمیان گرچہ کوتہ اند و حقیر
بمعنی اند ز اختر فزوں کہ می دانند
خوش آنکساں کہ چو اخترحضیضِ جوی نیند
ہمیشہ جانب اوجِ کمال پویانند

پھر شاعر اس آسمانِ ظاہر کا مقابلہ آسمانِ باطن سے کرتا ہے جس کی رفعت اور وسعت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی حد نہیں اور جو زبان و مکان کی حد بندیوں سے بالا اور سکون و امنیت کا منبع ہے۔ اس آسمانِ باطن کی شان سنئے :۔

چہ آسمانی فارغ ز تنگنای مکان | چہ آسمانی ایمن ز انقلاب زمان
بجای بیم در و امن و جای وحشت امن | بجای جنگ در و صلح و جای عجز تواں

(دور آسمان)

عشق کی اس منزل پہ پہنچکر جسے شاعر عالمِ بیخودی سے تعبیر کرتا ہے انسان کو وہ روحانی تسکین ملتی ہے جسے مادّی نعمتیں کبھی نہیں فراہم کر سکتیں۔ رشید کا یہی عرفانی نظریہ ہے جو بیسویں صدی کے تمام ترقی پسند شاعروں سے انھیں ممتاز کرتا ہے۔ یہاں پہنچکر انسان کائنات کے ذرّے ذرّے سے لطف اندوز ہوتا ہے اور فطرت کا حقیقی سرور اس کے قدموں میں لوٹتا ہے۔

ہر ذرہ کہ جنبد با او کنم نشاط | ہر قطرہ کہ غلطد با وی شوم رواں
با شاخ در سرور م و با باد در سماع | با آب در خروشم و با سنگ در فغاں

(زبہ یل)

پرواز گاہ من نبود بستۂ حدود | بے مانعے بنا زم در عرصۂ وجود
تا وقتے نگردہ و خود را انجستہ ام | با عیش در دوام و با ناز در خلود

(زبہ یل)

اور آخر کار :۔

چون عشق جاودانہ بماند مرا چہ غم | گر این تنِ رشید دمی ماند یا نماند

یہ مشاہدۂ دل اور عرفانِ نفس رشید کی شاعری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے ان کی بیانیہ شاعری کے ظاہری مطالب پہ نہ جائیے۔ یہ دیکھئے کہ شاعر ان علامتوں (symbolism) سے نفسِ انسانی کی کن خصوصیتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر آپ ان کی شاعری سے یہ علامتیت الگ کر دیں گے تو ان کی شاعری کا مقصد بہت حد تک فوت ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف بیانیہ نظموں میں فطرت کے مظاہر کو کسی نہ کسی روحانی یا نفسیاتی خصوصیت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ مثلاً نظم "ماہی جو" میں ایک پر سکون حوض کا نقشہ کھینچا گیا ہے، رات کا وقت ہے، حوض ساکن ہے، ستاروں اور شاخوں کا حوض میں عکس پڑ رہا ہے کبھی کبھی کوئی مچھلی حوض کی خاموش سطح میں اضطراب پیدا کر دیتی ہے اور ہلکی ہلکی لہریں دیر تک سطح آب کو بے کل رکھتی ہیں اب شاعر کہتا ہے

ہوس چو ماہی و دل آبدان آرام است
ستارہ فکرتِ صافی و موج او ہام است

اب تک رشید کی شاعری کا جو تجزیہ کیا گیا اس سے ممکن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ رشید محض ایک dreamer شاعر ہے جسے موجودہ زندگی کی مادی کشاکشوں سے کوئی تعلق نہیں، اور جو زندگی سے فرار کا خواہاں ہے، کیونکہ اس کے پاس محرومی اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ حقیقت نہیں۔ رشید نے زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے ان کا زمانہ وہ تھا جب کہ صدہا سال سے چھایا ہوا روحانیت اور جذباتیت کا کہرا ایران سے چھٹ رہا تھا اور مادیت اور عقلیت کی روشنی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ انھوں نے زندگی کے نئے زاویے کو سراہا لیکن زمام حیات دماغ کے بجائے دل ہی کے حوالہ کی۔ ان کی شاعری میں غم ہے، قنوطیت نہیں، سوز ہے افسردگی نہیں، حسرت ہے، مایوسی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اور ترقی پسند ادیبوں کی طرح ان کے ہاں پرجوش نعرے نہیں ان کے انداز بیان کی نرم روانی اس کی متحمل بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر انھوں نے زندگی کے تقاضوں سے منہ نہیں موڑا۔ ان کی شاعری گزرا ریں بہنے والی جوئے نغمہ خواں ہے اور اس میں بڑی لطیف اور دلآویز لہریں ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

دلا خرمی کن دریں خرمی | کہ از خاک وازسنگ خارا نہ
غنیمت شمر عمر در نو بہار | کہ تو نیز ہموارہ با ما نہ دنو بہار را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کارخانہ ہیچ نیاساید از عمل | باقی است کار گرچہ بس کار گر گذشت
ہر ذرہ کہ بینی از اجزائے کائنات | ہم رنجبر بیامد وہم رنجبر گذشت
ہیں امروز لیکن کار امروز نہ | کہ فردا از برای کار فردا است

وہ زندگی میں سکون ضرور چاہتے ہیں مگر ایسا سکون جو اپنے دامن میں اضطراب لیے ہوئے ہو۔

شادم کہ در طبیعتِ این دل قرار نیست
کاندر مکانِ ثابتِ کس کامگار نیست۔
تانیست جنبشِ زسکون نیست لذتے
ہر چیز جز بجلوہ ضد آشکار نیست

جب زندگی میں غم وطرب کا چکر چلتا رہتا ہے تو غمِ پارینہ یا فکرِ آیندہ میں گھل گھل کر زندگی کے قیمتی لمحات کیوں ضائع کیے جائیں۔

آن بہ کہ غنیمت شمریم عشرتِ امروز
آگہ نتوان بود کہ چون است سرانجام
ہر جام پر از شہد کہ در وقت نوشند
چون وقت بشد زہر شود شہد در آن جام
(انتقام فرصت)

لیکن رشید کو تن آسانی اور نرم روی پسند نہیں جس دل میں سوز نہ ہو وہ دل ہی کیا۔ زندگی غم وکرب کی چٹانوں سے ٹکرائے بغیر کیسے معراج حاصل کر سکتی ہے۔ اپنی مثنوی "رنجہا" میں کہتے ہیں۔ رنج وغم ہی سے انسانی ہستی میں رفعت اور عظمت آتی ہے۔

رنجہا آموزگارانِ دلند | ہر کمالِ را نخستین منزلند
کی بیاوازد بی خونِ جگر | دانش گر طالبی، خونی بخور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشق را آن روز شناسی درست   کہ از و بس رنج و غم بینی درست

رشید کے اندازِ بیان کی سب سے بڑی خوبی آسان بیانی ہے، ان کی نظم ہو یا غزل، قطعہ ہو یا رباعی معلوم ہوتا ہے فکرِ شعر نے کبھی ان کے ماتھے پر بل نہیں ڈالا۔ غالب کی طرح وہ دودِ چراغ کے تریاکی نہیں معلوم ہوتے، میرا مطلب یہ نہیں کہ ان کی شاعری میں ریاضت کو دخل نہیں یا وہ ہلکی پھلکی ہے۔ ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو ایسا ذہنی سکون اور قدرتِ کلام حاصل ہے کہ جذبات و خیالات کی یورش کبھی اسے مضطر (مهندس) نہیں کرتی۔ اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اسی آسانی اور روانی سے کہتا جاتا ہے۔ یہاں نہ تو فنکارانہ جدت طرازیاں ہیں اور نہ الفاظ و خیال کی صنعت گری۔ سیدھا سادا خیال ہے اور سیدھی سادی زبان۔ پھر بھی معشوق کی بے نام اداکی طرح ان کی باتیں دل میں کھبی جاتی ہیں۔ دو چار شعر دیکھئے۔

در لبِ غنچہ ہائے نشگفتہ   بوئے شبنم چو درِ ناسفتہ
یا چو اقرارِ عشق در لبِ تو   ماندہ از شرم و ناز ناگفتہ   (دیاد)

مست و یدی ہر آنچہ دیدی چشم   کز دو چشم تو خوردہ بود شراب
بحر بارا گذار ہا باشد   عشق را نیست، راستی، پایاب   (دیاد)

اور تعجب تو یہ ہے کہ یہ گھلاوٹ اور گنگناہٹ غزلوں سے کہیں زیادہ نظموں میں ہے۔

کسے کہ تابشِ اختر در آب می بیند   چو مفلس است کہ گوہر بخواب می بیند
بر آبدان چو وزد باد تند پنداری   کہ خواب ہائے پر از اضطراب می بیند
خمیدہ شاخۂ نسرین بدخترے ماند   کہ بختِ خویشتن اندر کتاب می بیند

(ماہی ہوس)

رشید کے اندازِ بیان کی اس نرم روی اور میٹھی نغمگی نے ان کی نظموں میں تغزل کی بڑی لطیف کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس تغزل نے ان کی شاعری میں عرفانِ نفس، گداز قلب اور سوز و ساز کی کیفیت رچا دی ہے کہنے کو تو رشید نے نظموں کے علاوہ غزلیں بھی لکھی ہیں مگر ان کی نظموں میں جو رعنائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس سے غزلیں عموماً محروم ہیں۔ نظموں کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے جن میں تغزل بھی ہے اور آفاقیت بھی:۔

نسیم آنجہاں بگذرد در چمن
کہ ہر بہر بجہر گان در قلوب

بید مجنوں کی بکھری ہوئی زلفیں دیکھ کر شاعر کا تخیل کہاں پہنچتا ہے۔

ہست شیریں کہ بشوید تن در چشمۂ آب
خسرو ش بیند و از شرم کند موی حجاب

یا یکی شوخ فرشتہ است کہ در گردش شب
روز دریافتہ و راہ برفتہ است بخواب

(صبحانۂ شاعر)

گر عشق کہ سرمایۂ ہستی من وتست
بردہ دکند ما وتو یک مشت غبار یم

آنجا کہ متاعِ دو جہاں عرض نمایند
گر عشق بباز ار نیاریم چہ آریم

(اغتنام فرصت)

ہر جام پر از شہد کہ در وقت نوشند
چوں وقت بشد زہر شود شہد در آں جام

ناگہاں مرگ کشد فریاد
چوں ہراسیدہ کودکی در خواب

وان نواہای مادرانہ باد
آرد او را دوبارہ در سر خواب (شبی در جنگل)

نظم "تقویم" تو غزلیت سے بھرپور ہے، شاعر پچھلے سال کی تقویم دیکھ کر عجیب حسرت سے بیتی ہوئی زندگی کو یاد کرتا ہے۔

ہزار صید گذر کرد و من یکے نزدم
ہزار گونہ خبر بود و من خبر نشدم

برفت سال و من ذرہ خوب تر نشدم
دگر شدم بعیان و نہاں دگر نشدم

چو ماہیان کہ بہ آب اندر اند و تشنہ لبند
غریق عمرم و از بحر عمر بہ یا کم

زجاں عزیز تر است آنچہ ماند از احباب
کہ گل چو درگذرد یادگار اوست گلاب

چنانکہ طے کنم اوراق گاہنامۂ خویش
مرا زماں کند اوراق زندگانی طے

برفت یوسف عمری بکمترین ثمنی
مرا نماند از و جز دریدہ پیرہنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمہ چیز جہان پذیرد   بجز فردا کہ او ہموارہ بہ ناست (فردا)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رشید کی غزلوں میں سوز و ساز کے نشتر نہیں۔ یہ غزل ملاحظہ فرمایئے:۔

شد زدستم کار روزگارے بہ نہ شد   پشت من شکست و باری بر نخاست
از ازل در لالہ زارِ روزگار   چون دلِ من داغداری بر نخاست
شد بہارِ زندگی و ز بلبلے   نغمۂ از شاخسارے بر نخاست

سوز و گداز کی وہ لہر جو نظموں میں بڑی معتدل ہے غزلوں میں اور تیز ہو جاتی ہے۔

من نمی گویم کہ پیش از دیدنت دل غم نداشت   لیک رنج و درد و اندوہ و حزن باہم نداشت
گر غمی خوردی غمی بودی کہ پایان داشتی   این چنین کامروز می بینی غم عالم نداشت
ہزار نیش نہاں کردہ اند در ہر نوش   زمانہ خوانِ سعادت برایگان نہ نہاد
درون پردہ ندانم چہ رازہاست کہ کس   نظر نکرد کہ انگشت بر دہان نہ نہاد

غزلوں کی یہ آسان بیانی ہمیں اردو میں مصحفی اور حسرت کی یاد دلاتی ہے،

درون سینۂ مشتیٔ خاک و خون دیدم بنام دل   ز حیرت کیمیائی کردم و این خاک زر کردم
چہ جوے جام جم گیتی ہمہ رنج است و ناکامی   من آنی کہ بس پشیمانم کہ اندر وی نظر کردم
مارا بگفتن آری وز ناز لب ببندی   شوق وصال بخشی پائی طلب ببندی
بالی اگر ببخشی، دامی براہ گذاری   بزمی اگر بچینی، دست طرب ببندی

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رشید یاسمی کی شاعری واقعی کچھ ایسی خوبیاں رکھتی ہے جس کی نظیر جدید فارسی ادب میں کم ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com